International Journal for Multidisciplinary Research (IJFMR)

E-ISSN: 2582-2160 ● Website: www.ijfmr.com ● Email: editor@ijfmr.com

نگاری ناول علامتی کی سجاد انور

تمکین حسین طارق ڈاکٹر

کشمیر و جموں چھاترو، کالج ڈگری گورنمنٹ ، پروفیسر ایسوسیٹ

Abstract **(تلخیص)**

اردو ناول کی روایت میں علامتی اور استعاراتی اسلوب کو فروغ دینے والے اہم تخلیق کاروں میں انور سجاد کا نام نمایاں حیثیت رکھتا ہے۔ زیر نظر مقالے میں انور سجاد کی علامتی ناول نگاری کا تنقیدی جائزہ پیش کیا گیا ہے، بالخصوص ان کے دو اہم ناول ″خوشیوں کا باغ″ اور ″جنم روپ″ کے حوالے سے۔ مقالے میں یہ واضح کیا گیا ہے کہ انور سجاد نے علامت، استعارہ، تمثیل، نفسیاتی تجزیے اور بصری فنون، خصوصاً بوش (Bosch) کی علامتی مصوری سے استفادہ کرتے ہوئے جدید شہری زندگی، تیسری دنیا کے سماجی و سیاسی بحران، انسانی استحصال، جبر، خوف، بے بسی اور وجودی کرب کو نہایت فنی انداز میں پیش کیا ہے۔ اس مقالے میں ناول کے فکری، فنی اور علامتی پہلوؤں کا تجزیہ کرتے ہوئے انور سجاد کے اسلوب، موضوعاتی وسعت اور اردو علامتی ناول کی ترقی میں ان کے نمایاں کردار کو اجاگر کیا گیا ہے۔

Keywords **(کلیدی الفاظ)** : انور سجاد، علامتی ناول، خوشیوں کا باغ، جنم روپ، علامت، استعارہ، تمثیل، تیسری دنیا، بوش، جدید اردو ناول، نفسیاتی تجزیہ، شہری معاشرہ۔

تعارف

اردو ناول نے ارتقائی سفر کے مختلف ادوار میں موضوع، ہیئت اور اسلوب کے اعتبار سے نمایاں تبدیلیاں قبول کی ہیں۔ بیسویں صدی کے نصف آخر میں جب اردو فکشن پر جدیدیت کے اثرات نمایاں ہوئے تو علامت، استعارہ اور تمثیل نے اظہار کے نئے امکانات پیدا کیے۔ اس دور کے ناول نگاروں نے خارجی حقیقت کو براہ راست بیان کرنے کے بجائے علامتی اور استعاراتی پیرایۂ اظہار اختیار کیا، جس کے نتیجے میں اردو ناول کو فکری گہرائی اور فنی تنوع حاصل ہوا۔ انور سجاد اسی جدید علامتی روایت کے اہم اور منفر د ناول نگار ہیں۔ انہوں نے اپنے ناولوں میں انسان کے داخلی اضطراب، سماجی جبر ، سیاسی استبداد، تہذیبی بحران اور وجودی مسائل کو علامتی اسلوب میں پیش کیا ہے۔ ان کے ہاں علامہ محض اظہار کا وسیلہ نہیں بلکہ ایک فکری نظام کی حیثیت رکھتی ہے، جس کے ذریعے وہ قاری کو متن کے باطن تک رسائی کی دعوت دیتے ہیں۔ زیر نظر مقالہ انور سجاد کی علامتی ناول نگاری کا تحقیقی و تنقیدی مطالعہ ہے، جس میں خصوصاً ″خوشیوں کا باغ″ اور ″جنم روپ″ کا تجزیہ پیش کیا گیا ہے۔ مقالے کا مقصد انور سجاد کے علامتی اسلوب، فکری جہات، نفسیاتی بصیرت، سماجی شعور اور اردو علامتی ناول کی روایت میں ان کی خدمات کا جائزہ لینا ہے تا کہ اردو ناول کے اس اہم تخلیق کار کی فنی انفرادیت مزید واضح ہو سکے۔

اردو علامتی ناول کے فن کو فروغ دینے میں انور سجاد کا نام محتاج تعارف نہیں ہے۔ انتظار حسین کے بعد اگر کسی ناول نگار نے علامتی فن کو مزید جلا بخشی تو وہ انور سجاد ہیں۔ ان کا اندازِ بیاں بڑا پیچیدہ علامتی اور استعاراتی ہے۔ جو قاری کے ذوق سلیم پر گراں گزرتا ہے۔ ابھی تک کے ادبی سفر کے دوران ان کے دو ناول منظر عام پر آچکے ہیں جن میں ″خوشیوں کا باغ ″1981ء اور جنم روپ 1985 ء اہمیت کے حامل ہیں۔ ان دونوں ناولوں میں ″خوشیوں کا باغ″ انور سجاد کے لیے زیادہ شہرت کا باعث بنا۔ جہاں تک ″جنم روپ″ کا تعلق ہے، یہ خواتین کی جذباتی کشمکش اور فکری پابندیوں کے موضوع پر لکھا گیا ایک نفسیاتی ناول ہے۔ ″ جنم روپ″ کی پوری کہانی ایک عورت کے گرد گھومتی ہے جو اپنی دنیا آپ پیدا کرنا چاہتی ہے، مگر مشرقی سماج میں عورتوں پر عائد پابندیاں اسے چاروں جانب سے گھیر لیتی ہیں۔ وہ ایک نئی فضا کی چاہت کر ہی نہیں سکتی۔ اس کا پورا وجود اس کے شوہر کی مٹھی میں قید رہتا ہے۔ وہ ذہنی اور جسمانی طور پر اپنے خاوند کی غلام ہے۔ اس غلامی کے حصار سے باہر نکلنانہ صرف اس کے لیے مشکل ہے بلکہ ناممکن بھی ہے۔ اس کہانی کو انور سجاد نے نفسیاتی مشاہدے اور پیچیدہ تمثیلی انداز میں پیش کیا ہے۔

”خوشیوں کا باغ“ انور سجاد کا پہلا قابل قدر ناول ہے۔ موضوع اور مواد کے لحاظ سے یہ ناول مختلف جہات کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ اس میں نہ تو کرداروں کا کوئی نام ہے، نہ پہچان۔ البتہ اتنا ضرور ہے کہ کہانی کی تہیں، ”میں“ کے ذریعے کھلتی ہیں۔ ” میں “ ناول کا علامتی کردار ہے، جو غیر انسانی اور غیر جمہوری معاشرے کا شکار ہے۔ یہ معاشرہ تیسری دنیا کا سماج ہے جہاں ہر طرف افراتفری اور تشدد کا ماحول گرم ہے۔ ” میں “ اس ماحول سے اس قدر خوف زدہ ہے کہ اس کی سرشت میں حالات سے مقابلہ کرنے کی ہمت ہی نہیں ہے۔ وہ پورے ناول میں خاموشی اور بے بسی کا مظاہرہ کرتا دکھائی دیتا ہے۔ یہاں تک کہ ”میں“ کی ماں کو مرے ہوئے کچھ ہی گھنٹے گزرے ہوتے ہیں کہ کمپنی کا چیر مین، اور ایم ڈی اسے جلد از جلد آفس پہنچنے کو کہتے ہیں تا کہ انکم ٹیکس کے گوشوارے مکمل کر لیے جائیں۔ ” میں “ تمام رشتوں اور رسموں کو بالائے طاق رکھ کر آفیس چلا جاتا ہے۔

یہاں مصنف نے ”میں“ کے ذریعے کسی ایک فرد کا مسئلہ بیان نہیں کیا ہے بلکہ یہ تیسری دنیا میں رہنے والے ہر اس شخص کی روداد ہے، جو رشتوں اور رسموں پر لالچ و ہوس کو ترجیح دیتا ہے، جس کی اجتماعی قوت اس قدر کمزور ہو چکی ہے کہ وہ خود اپنی ذات کے بارے میں کوئی فیصلہ نہیں کر سکتا۔ ”خوشیوں کا باغ “ کا موضوع بوش کی بنائی ہوئی ویژنری تصویروں کی امیجز (Images) پر مبنی ہے۔ یہ شہر ٹوکن بوش کا رہنے والا ہے۔ اس کا اصلی نام جیر دم و ان آئن تھا۔ ان کی بنائی ہوئی تمام تصویروں کو معاشرتی اور تاریخی اہمیت حاصل ہے۔ ماہرین نفسیات کے لیے بھی ان کی مصوری خاصی دلچسپی کا باعث رہی ہے۔ بلکہ آج بھی ان سے طرح طرح کے انکشافات کو نمایاں کیا جاتا ہے۔

جس دور میں بوش نے تخلیقی سفر کا آغاز کیا وہ پندرھویں صدی عیسوی میں سائنسی سوچ اور پرانے عقائد کے تنقیدی عروج کا زمانہ تھا، جس کی بہترین مثالیں تحریک احیائے علوم کے زمانے کے ادب میں آج بھی دیکھنے کو ملتی ہیں۔ تحریک احیائے علوم کا اثر اگر چہ بوش کی پینٹنگز پر نمایاں ہے مگر انہوں نے اس تحریک کو بطور تحریک بھی قبول نہیں کیا۔ بوش کی پینٹنگ کے تمام فن پارے علامتی ہیں۔ ماہرین نفسیات نے ان کی مصوری کو تین حصوں میں تقسیم کیا ہے۔ ایک مذہبی، دوسرا مخلوط یعنی سیکولر اور تیسرا فنتیسی۔ انور سجاد نے ”خوشیوں کا باغ“ کی بنیاد ان ہی علامتی تصویروں پر رکھا ہے۔ وہ اس بارے میں خود لکھتے ہیں :

میرے ناول کے حوالے سے ایک اور دو غیر تعلق ہیں۔ بوش اپنی عظیم فتیسی تصاویر میں دنیا کو اپنے زاویۂ نظر سے دکھاتا ہے جس میں فطرت کا قدرتی نظام درہم برہم ہو چکا (1)

موجودہ دور میں جن لوگوں کے ہاتھوں نظام معاشرت درہم برہم ہو چکا ہے، مصنف نے ان ہی واقعات کی عکاسی بوش کی ویژنری مصوری کے تحت کی ہے۔ بوش کی پینٹنگز جیسا کہ پہلے بھی ذکر کیا گیا ہے، تین حصوں پر مشتمل ہے۔ پہلے پینل میں حوا کی تخلیق کو اشاروں اور استعاروں کے ذریعے بیان کیا گیا ہے۔ دوسرا پینل ”خوشیوں کا باغ“ ہے جو جانوروں اور برہنہ عورتوں سے اٹا پڑا ہے۔ تیسرے حصہ موسیقی کا جہنم ہے جہاں انسان اپنی روح کو عارضی جسمانی لذتوں پر قربان کرنے کے باعث ایک دائمی عذاب میں مبتلا دکھائی دیتا ہے۔ تو بالکل سامنے تین ٹانگوں والی اونچی کرسی پر ایک عفریت بیٹھا ہے۔ اس کے مینڈک ایسے جسم کو کھینچ تان کر انسان کی شکل دی گئی ہے۔ اس کی کھلی چونچ، ایک بڑے پرندے کا آدھا دھڑ نگل چکی ہے۔ اس لڑکی کی ران پر اس کے ہاتھ کی گرفت مضبوط ہے اور دیکھو کہ اس لڑکی کا کھلا آدھا دھڑ ، گھنٹی سے لٹکی لڑکی کے نظر آتے نچلے دھڑ کی بالکل کار بن کاپی ہے۔ اس برہنہ لڑکی کی رانوں کے بیچ سے ابابیل نکل کر مائل بہ پرواز ہیں۔ کچھ ایسی افراتفری ہے کہ ان ابابیلوں کی پرواز کی سمت متعین نہیں ہوتی ------“ (2)

یہ اقتباس در اصل موجودہ دور کی شہری زندگی کے مختلف تضادات کا احاطہ کرتا ہے۔ یہ بین الاقوامی سطح کی وہ طاقتیں ہیں، جو اپنی ضمیر فروشی سے انسانیت کا استحصال کر رہے ہیں۔ انور سجاد نے بوش کی ان ہی تصویروں کے تناظر میں موجودہ صورت حال کو بیان کرنے کی کوشش کی ہے۔ موضوع اور مواد کو وسیع استعاراتی طریقے سے برتا ہے جو قاری کے ذہن پر ایک خلجان پیدا کر دیتا ہے۔

ناول کے فلیپ پر ایک چڑیا کو دکھایا گیا ہے جو اُڑنے کے لیے بے قرار ہے، مگر پرواز نہیں کر سکتی، کیونکہ اس کے پاؤں میں لوہے کی زنجیر بندی ہوئی ہے۔ جس کا سرا کسی آدمی کے ایک بڑے پاؤں کے نیچے ہے۔ اندر والے صفحے پر ایک چہرہ اتنا خوفناک ہے، جو قاری کے ذہن میں ایک خلجان پیدا کر دیتا ہے۔ اسی صفحہ پر تصویر کی مناسبت سے یہ تحریر درج کی گئی ہے :

میں یہاں ایک ہوں۔
اگر خواہشوں، خیالوں اور لفظوں کو

آواز سے روشناس کرانا
خطر ناک ہے
تو باہر
سارا ہجوم، سارا شہر ، سارا ملک، ساری کائنات
خطر ناک ہے
انہوں نے اپنے مقدر پر لگی
جبر و استبداد کی مہریں
توڑ ڈالی ہیں-----″

(3)

مصنف کو خواہشوں، خیالوں اور لفظوں کو آواز سے روشناس کرانے سے زیادہ خطر ناک باہر کی دنیا لگتی ہے۔ جو ظلم و جبر کی تمام حدیں پھلانگ چکی ہیں۔ ناول کے دوسرے اور تیسرے صفحے پر دو بڑے بڑے خوفناک بازو دکھائے گئے ہیں۔ جنہوں نے اپنی طاقتور مٹھیوں میں دو کمزور بازوؤں کو کس کے پکڑ رکھا ہے، جن کے نیچے ″خوشیوں کا باغ″ لکھا ہوا ہے۔ یہ طاقت ور بازو در حقیقت استعارہ ہے اس غیر جمہوری اور غیر انسانی معاشرے کا جو پاکستان کی جدید شہری زندگی کو اپنی لپیٹ میں لے چکا ہے۔ چوتھے اور پانچویں صفحے پر بھی یہی دو خوفناک بازو دکھائے گئے ہیں۔ یہ ناول کے اختتام تک ہر صفحے پر دکھائی دیتے ہیں۔ صفحہ نمبر چھے پر ایک ماڈرن آدمی کی تصویر دکھائی گئی ہے، جو چہرے پہ ہاتھ dھرے کچھ سوچ رہا ہے۔ اس کے ہاتھ میں سلگتا ہوا سگریٹ بھی ہے۔ یہ تصویر بھی علامتی ہے۔ ساتھ ہی تصویر کی مناسبت سے یہ تحریر بھی درج ہے :-

ا--- جب میں نیا نیا بیدار ہو
تو میں نے دن کو پہچان لیا
یہ گزرا ہوا کل تھا
ایک اور گزرا ہوا کل، جس کا ایک اور نام تھا
ایک دوست
جو میری دانست میں مجھ سے بچھڑ گیا تھا
جس نے واپس آکر مجھے حیران کر دیا

(4)

مندرجہ بالا اقتباس سوچتے ہوئے انسان کی مناسبت سے ناول میں لایا گیا ہے جو ہمیں یہ بتاتا ہے کہ جب میں اندھیری دنیا سے باہر آیا یعنی جب میں نے ماں کی کوکھ سے جنم لیا تو میں نے پہلی بار روشنی دیکھی اور دن کو دیکھا۔ یہ گزرا ہوا کل تھا یعنی بچپن تھا۔ ایک اور گزرا ہوا کل، جس کا ایک اور نام تھا، ایک دوست
یہاں دوست سے مراد احساس اور فہم و ادراک کے ہیں۔ جو جوان ہوتا گیا۔ اس میں سوچنے کی پختہ طاقت پیدا ہو گئی۔ اسے اپنی ذات کے عرفان کا احساس ہونے لگا جو کسی بھی عذاب سے کم نہیں ہوتا۔ اسی لیے کہا گیا ہے کہ سوچنا ایک خوفناک عمل ہے۔ ادب اور آرٹ چونکہ شعور ہی کی دین ہوتی ہے، اس لیے اس قسم کے فن پاروں کی ترتیب و تشکیل کے لیے شعوری کوشش سے کچھ ایسے نکتے ابھارے جاتے ہیں جو اپنے اندر بڑی وسعت رکھتے ہیں بعض اوقات تو ماضی کی بازیافت اور زندگی کے مختلف تقاضوں کو سامنے لانے کے لیے بزرگان دین کے اقوال اور عہد نامئہ عقیق سے بھی کام لیا جاتا ہے۔ مثلاً پاکستان جو بظاہر تو اسلامی ملک تصور کیا جاتا ہے، لیکن اس کے معاشرے میں جو بھی عمل ہوتا ہے وہ غیر اسلامی ہے، اس لیے ناول نگار اپنے معاشرے کی اصلاح کے لیے بزرگانِ دین کے اقوال سے یا قصص الانبیاء سے کام لیتا ہے۔

اور مشن کیا ہے؟ مساوات، عدل و انصاف پر مبنی معاشرے کا قیام . . . انسان کے ظلم سے انسان کی نجات، اللہ کی نعمتیں سب انسانوں کے لیے مساوی، مدینہ العلم کے باب . . . . داماد رسول ابوالحسنین سید نا علی ابن ابو طالب کا ارشاد ہے کہ خود کو دوسروں کی غلامی میں نہ دو کہ تمہارے رب نے تمہیں آزاد پیدا کیا ہے . . . سر کار دو عالم کا مشن حق ہے۔ باقی سب باطل حق و باطل کی جنگ زمانوں سے جاری ہے اور تب تک جاری رہے گی جب تک ایک بھی یزید لعین باقی ہے۔ جناب امام کے لہو رستے قدموں کے نقوش ان راہوں پر چلنے والوں کے لیے نشان بن کر ہمیشہ تازہ رہیں گے--- اس راہ میں سروں سے چادریں بھی کھینچ لی جاتی ہیں اور خیمے بھی لوٹ لیے جاتے ہیں، پابہ زنجیر بھی کیا جاتا ہے اور سر بھی قلم کر دئے جاتے ہیں----″

(5)

اور انور سجاد کی ” تیسری دنیا“ پاکستان کا وہ اسلامی معاشرہ ہے، جہاں مذہب کی آڑ میں سرمایہ دارانہ طبقہ اور دیگر با اثر طبقے پاک طاقتیں انسانوں کا استحصال کر رہے ہیں۔ اس لئے یہاں مصنف نے عدل و انصاف اور محبت پسندی کی بات مذہب کے حوالے سے کی ہے۔ سرکار دو عالم کا مشن حق کی مناسبت سے ناول میں لایا گیا ہے یہ ناول تیسری دنیا کی طرف سے ہو رہے تشدد کے خلاف ایک احتجاج ہے۔ یہاں انور سجاد نے اس بات کی طرف بھی اشارہ کیا ہے کہ ہمیں ان ناپاک طاقتوں سے ڈرنا نہیں چاہیے اور نہ ہی پیدا شدہ صورت حال سے خوف زدہ ہونا چاہیے بلکہ ڈٹ کر ان کا مقابلہ کرنا چاہیے۔ اگر چہ حق کی لڑائی میں سروں سے چادر میں کھینچی جاتی ہیں اور خیمے لوٹ لے جاتے ہیں مگر ہمارے بزرگانِ دین ان ہی تجربوں سے گزر کر مشن حق پھیلاتے رہے ہیں۔

ناول میں بعض جگی اسی قسم کے علامتی اشارے دیکھنے کو ملتے ہیں اور بعض جگہ بوش کی تصویروں کے ذریعے لوگوں کا استحصال دکھایا گیا ہے، اس تحریر کے ساتھ کہ :

بوش کے خوشیوں کا باغ“ کا ہر پینل ایک دنیا ہے اور تیسرا پینل تیسری دنیا۔“

مختصر یہ کہ انور سجاد کا یہ ناول جہاں موجودہ جدید معاشرے کی عکاسی کرتا ہے وہاں مصنف نے مزید وضاحت کے لئے بوش کی پینٹنگ، عہد نامہ، عقیق اور بزرگانِ دین کے اقوال سے خوب کام لیا ہے۔ کردار اگر چہ ناول میں کوئی موجود نہیں ہے، صرف ”میں“ کے ذریعے کہانی آگے بڑھتی ہے مگر یہ ” میں ”ہر وہ شخص ہے جو اس تیسری دنیا کی جدید سوسائٹی کا مسلسل شکار ہوتا جا رہا ” ہے۔ بعض جگہوں پر مصنف نے آرٹ کے حوالے سے علامتی مضامین درج کئے ہیں جن کو سمجھنے کے لئے قاری کو خوب ہاتھ پاؤں مارنے پڑتے ہیں۔ ناول بیانیہ اور استعاراتی انداز میں پیش کیا گیا ہے جس سے زبان بو جھل اور ناول کا مواد گنجلک صورت اختیار کر گیا ہے جو صاحبان علم و ادب کے ذوق و ادراک میں ایک خلجان پیدا کر دیتا ہے۔

حوالہ جات

1 . انور سجاد ۔ خوشیوں کا باغ شعور پبلی کیشنز نئی دہلی ۔ ص 11
2 . انور سجاد – خوشیوں کا باغ ۔ ۔ ص 73
3 . انور سجاد خوشیوں کا باغ ص 1
4 . انور سجاد خوشیوں کا باغ ص 54
5 . انور سجاد – خوشیوں کا باغ ص 17